برطانوی ہندوستان میں اسلامی سوشلزم کے رجحانات

Tendencies of Islamic Socialism in British India

Dr Shahid Rasheed
Assistant Professor Department of Sociology
FC College University Lahore
Email: shahidrasheed@fccollege.edu.pk

Abstract
This paper aims to analyze tendencies of Islamic Socialism in British India. Marxist ideas entered South Asia much before Russian Revolution, but it was the Russian Revolution of 1917 which strongly influenced the thought and political imagination of Muslim India. Five Muslim thinkers and political activists who were greatly influenced by this revolution and who sought to develop a theory of Islamic socialism have been discussed in this paper, namely Maulana Obaidullah Sindhi, Maulana Hifzur Rahman Seoharwi, Hasrat Mohani, Maulana Abdur Rahim Popalzai, and Chaudhry Afzal Haq. All these scholars maintain that theory of socialism is in harmony with the Quranic ideas of equitable distribution of wealth and social justice. This paper concludes that while rejecting the atheistic and anti-religious character of communism, these ideologues consider only the economic dimension of communist ideology.
Keywords: Islamic Socialism, Communism, British India, South Asia, Social Justice, Islamic Revolution

1917 کے روسی انقلاب نے مسلم ہندوستان کی سوچ اور سیاسی تخیل کو بہت متاثر کیا۔ سب سے پہلے ایک غیر طبقاتی معاشرے کا تصور انھیں دولت کی منصفانہ تقسیم اور سماجی انصاف کے قرآنی نظریات کی بازگشت معلوم ہوا۔ دوم، نظریہ پر مبنی انقلاب کی تاریخی حقیقت نے ان کے اس یقین کو تقویت بخشی کہ اسلامی نظریہ اُسی انداز میں جدید دور میں انقلاب کی بنیاد بن سکتا ہے۔ اس سے اسلام کی نظریہ سازی کی راہ ہموار ہوئی۔ تیسرا، کچھ مسلمان نظریہ ساز انقلابی جماعت کے تصور سے متاثر تھے۔ تنظیم کے مخروطی طرز کے ڈھانچے کی حامل ایک منضبط، مربوط اور منظم جماعت اُن کی فکر کا مرکز بن گئی۔ چوتھا، انقلاب نے آزادی پسندوں کو بھی اُمید بخشی اور ان کے استعمار مخالف بیانیہ کو تقویت دی۔ استعمار مخالفت سرمایہ داری مخالفت کی صورت اختیار کر گئی۔

شاعر فلسفی علامہ اقبال بھی کارل مارکس کے فلسفے سے متاثر ہوئے۔ وہ مارکس کو "کلیمِ بے تجلی" اور "مسیحِ بے صلیب" خیال کرتے تھے۔ لیکن اقبال نے سوشلزم کو نامکمل سمجھا کیونکہ لالچ اور استحصال کے بتوں کو توڑتے ہوئے یہ نظریہ معاشرے کے لیے ایک نئی اخلاقی بنیاد تعمیر کرنے سے قاصر رہا ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی[1] 1922 میں اپنے ساتھیوں اور رفقاء کے ساتھ روس پہنچے تو ان کا روسی سوشلزم سے براہِ راست واسطہ پڑا۔ ماسکو میں قیام کے دوران مولانا سندھی کو اشتراکی رہنماؤں کے سیاسی نظریات اور رجحانات کا گہرا اور براہِ راست مشاہدہ کرنے کا موقع ملا[2]۔ انھوں نے روس کے وزیر خارجہ مسٹر چیچرین سے ملاقات کی۔ انھوں نے نظریہ سوشلزم کے فکری پہلوؤں پر بھی اپنے نوجوان ساتھیوں[3] اور بالخصوص ظفر حسن ایبک کے ساتھ مل کر تحقیق کی جنھوں نے ایسٹرن یونیورسٹی ماسکو میں داخلہ لیا تھا[4]۔ اگرچہ مولانا سندھی نے اپنا سماجی اور سیاسی فلسفہ تشکیل دینے کے لیے شاہ ولی اللہ کی تصانیف سے استفادہ کیا لیکن روس میں اُن کے قیام اور تجربے نے اُن کی سوچ پر گہرے اثرات مرتب کیے[5]۔

مولانا سندھی سیکولرازم کے روسی ماڈل کے خلاف تھے جس کی جڑیں الحاد اور مذہب دشمنی میں پیوست تھیں۔ ظفر حسن اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ ایک بار یونیورسٹی میں ان کے پروفیسر نے کہا کہ تمام مذاہب رجعت پسند ہیں کیونکہ سب نے نجی جائیداد کی ملکیت کی حمایت کی ہے اور یہ کہ تمام مذاہب کو ختم کر دینا چاہیے۔ مولانا سندھی نے کہا کہ جب خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے فارس کو فتح کیا تو تمام زمینوں کو قومیا لیا گیا اور فاتحین کو صرف کاشتکاری کا حق دیا گیا۔ کسی اور موقع پر انھوں نے فرمایا کہ قرآن کے مطابق مومنوں کی جان و مال کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے خرید لیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے حالات بھی ظہور پذیر ہو سکتے ہیں جب مسلمانوں کو ان کی ذاتی املاک سے دستبردار ہونے کا کہا جائے۔ مولانا سندھی کے مطابق، سوشلزم کی 'مذہب دشمنی' کے پیچھے بنیادی عنصر پادریوں کا رجعت پسندانہ رویہ تھا جو سرمایہ داری اور سامراج کی حمایت کر رہا تھا۔

مولانا سندھی نے اپنا اسلامی معاشرتی نظریہ شاہ ولی اللہ کے فلسفے کے مطابق قائم کیا۔ مولانا سندھی کی تشریح کے لحاظ سے شاہ ولی اللہ کے مطابق امیر اور غریب کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج تمام سماجی برائیوں کی جڑ ہے۔ یہ بڑھتی ہوئی خلیج بالآخر اخلاقی بدعنوانی اور سیاسی تنزل کا باعث بنتی ہے۔ مولانا سندھی کے مطابق اسلام ایک انقلابی مذہب ہے جو مساوات اور سماجی انصاف پر مبنی سماجی و سیاسی نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ نظریہ سوشلزم بھی اسلام کی طرح انھی سماجی معیارات کا حامل ہے، اس لیے دونوں کو ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ تاہم انھوں نے سوشلزم کی ملحدانہ مادیت کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ وہ روس کی کمیونسٹ پارٹی میں اقتدار کے اعلیٰ عہدوں پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ انھوں نے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ اقتدار کی اجارہ داری بدعنوانی کا باعث بنے گی۔ جہاد کے بارے میں مولانا سندھی کا نقطہ نظر شبلی اور ان کے ساتھیوں کی طرح معذرت خواہانہ نہیں ہے جن کے مطابق جہاد جارحانہ نہیں ہو سکتا، اور تمام پیغمبرانہ جنگیں دفاعی تھیں۔ مولانا سندھی کی رائے میں بنیادی اصول یہ ہے

کہ اسلام ظلم اور استحصال کے خلاف جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ پہلے حملہ کرنے یا انتظار کرنے اور دفاع کرنے کا فیصلہ انقلابی قیادت پر منحصر ہے اور مخصوص حالات کے مطابق اس کا تعین کیا جاتا ہے۔ وہ جہاد کو انقلابی جدوجہد کے طور پر دیکھتے ہیں۔ مولانا سندھی قرآن، سیرت اور مسلم تاریخ کی تشریح اپنے انقلابی نقطہ نظر سے کرتے ہیں۔ اسی لیے سیاسی رجحان رکھنے والے دیوبندی حلقوں میں اور ان کی فکر اور جدوجہد سے متاثر حلقوں میں انھیں امامِ انقلاب کہا جاتا ہے۔ مولانا سندھی کے مطابق، قرآن انقلابی جدوجہد کو آگے بڑھانے کے لیے ایک جماعت قائم کرنے پر زور دیتا ہے۔ یہ جماعت، قرآنی اصطلاح میں حزِب اللہ ہے۔ حزِب اللہ ایک سیاسی انقلابی جماعت ہے جس کا مقصد نچلے طبقات کا استحصال کرنے والے طاقت کے مراکز کو چیلنج کرنا ہے۔ صرف ایک عدل و انصاف پر مبنی معاشرے میں ہی انسان اپنی روحانی صلاحیتوں کا ادراک کر سکتا ہے۔ اس طرح مادی ترقی اور ایک منصفانہ معاشی نظام وہ زمین ہے جس پر اخلاقی اور روحانی قدروں کے شجر نشو و نما پا سکتے ہیں۔ تاہم، انقلابی جماعت کے ارکان کے لیے مولانا سندھی سخت اخلاقی اور روحانی ضابطے کی تعلیم دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ تہجد کی نماز انقلابیوں کے لیے فرض ہے۔ دیگر نظریہ سازوں کے برعکس جو ایک اسلامی ریاست قائم کرنے کے خواہاں ہیں، مولانا سندھی تصوف کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ تصوف حزِب اللہ کے ارکان کو روحانی طاقت فراہم کرتا ہے جو انقلابی جدوجہد کے لیے ناگزیر ہے۔

مولانا سندھی نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے "جمنا، نربدا، سندھ ساگر پارٹی" کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی۔ اس جماعت کا آئین مولانا سندھی کی جدوجہد کے آخری دور میں ان کے سیاسی رجحان پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ مولانا سندھی کے خیال میں یہ جماعت انڈین نیشنل کانگریس کے اندر منظم ہو گی اور شمال مغربی ہندوستان، وادیِ جمنا، اجمیر اور ہندوستان کے ہر اُس علاقے میں کام کرے گی جو 'ولی اللہی سوشلزم' کے پروگرام کو قبول کرتی ہے۔ جماعت کا مقصد عدم تشدد پر مبنی سیاسی جدوجہد کے ذریعے آزادی کا حصول ہے۔ یہ جماعت ہندوستان کے قومی اور نسلی تنوع کو تسلیم کرتی ہے اور ہندوستان کو قومی اتحاد کے بجائے بین الاقوامی اتحاد مانتی ہے۔ یہ کسانوں اور کاریگروں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کام کرے گی۔ یہ اسلامی اور مغربی اقدار کے امتزاج کی حوصلہ افزائی کرے گی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ عمومی طور پر مغرب سے مولانا سندھی کی مراد اشتراکی مغرب ہوتی ہے۔ اور یہ سب کچھ ولی اللہی فلسفہ کے نظریاتی فریم ورک کے اندر ہو گا۔ جاگیرداری کا خاتمہ، جائیداد کی ملکیت پر پابندیاں، امیروں پر بھاری محصول، تعلیم اور صحت کی عالمگیر سہولیات مولانا سندھی کے اسلامی اشتراکی پروگرام کی اہم خصوصیات ہیں[6]۔

ایک روایتی دیوبندی عالم اور جمعیت علمائے ہند کے ایک سرگرم رُکن مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاروی (1900-1962) نے اپنی کتاب 'اسلام کا اقتصادی نظام'[7] میں اپنا معاشی نظریہ مرتب کیا ہے جس میں انھوں نے سرمایہ دارانہ

نظام، سوشلزم اور اسلامی معاشی نظام کا موازنہ کیا ہے۔ اس تصنیف کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے دوسرے اسلامی دانشوروں کے برعکس سوشلزم کو اس کی ملحدانہ مادیت کی بنیاد پر تنقید کا نشانہ نہیں بنایا۔ انھوں نے سوشلزم کی فلسفیانہ بنیاد کو نظر انداز کیا ہے اور صرف اس کے معاشی پہلو کو زیرِ بحث رکھا۔ مولانا سیوہاروی کے مطابق سرمایہ دارانہ نظام جو سرمایہ دار طبقے کو ذرائع پیداوار کی خصوصی اجارہ داری فراہم کرتا ہے، قرآن کی تعلیم اور روح سے متصادم ہے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کی فطری صلاحیتوں میں تفاوت سمیت بہت سے عوامل ہیں جو دولت اور املاک کے لحاظ سے تفاوت کے ظہور کا باعث بنتے ہیں۔ یہ اختلافات اگر محدود رہیں اور مواقع کی برابری کے بنیادی اصول کی نفی نہ کریں تو یہ فطری ہیں۔ لہٰذا، معاشی عدم مساوات ایک حد تک فطری ہے۔ مولانا سیوہاروی کے مطابق اسلام انسانی معاشرے میں معاشی عدم مساوات کو فروغ دینے کے اس رجحان کے لیے حساس ہے۔ اسلام سماجی و اقتصادی انصاف اور توازن کا معیار فراہم کرتے ہوئے اِن اختلافات کو منضبط رکھتا ہے۔ اسلام واضح طور پر چند لوگوں کے ہاتھ میں دولت کے ارتکاز کی ممانعت کرتا ہے۔ مولانا سیوہاروی کی رائے میں زکوٰۃ کے ادارے کی اصل روح یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ ضرورت سے زیادہ ہو وہ ضرورت مندوں کو دے دیا جائے۔ قرآن اللہ کی راہ میں کثرت سے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ دولت کے ارتکاز سے بچا جاسکے اور مختلف طبقات کے درمیان زندگی کے معیار میں عدم مساوات کو کم کیا جا سکے۔ مولانا سیوہاروی ممنوعہ سود پر مبنی سرمایہ دارانہ بینکاری نظام کے بجائے اشتراکِ باہمی کے اداروں کو زیادہ بہتر خیال کرتے ہیں۔ اُن کی رائے میں اگرچہ اسلام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی ملکیت کی اجازت دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت پر کچھ پابندیاں بھی عائد کرتا ہے۔ کانیں، مواصلات کے ذرائع اور مشترکہ دولت کے دیگر ذرائع کو نجی ملکیت میں نہیں لیا جا سکتا کیونکہ ان کا تعلق سماج سے ہے۔ مولانا سیوہاروی کے مطابق صنعتی یونٹ نجی ملکیت میں لیے جاسکتے ہیں لیکن ریاست کو مزدوروں اور مالکان کے درمیان معاشی تعلقات کو اس طرح منظم کرنا چاہیے کہ مزدوروں کے استحصال کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ مولانا سیوہاروی اسلامی معاشی نظام اور سوشلزم کے درمیان پانچ مشترک خصوصیات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اول، یہ دونوں نظام مراعات یافتہ طبقوں کے ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کے خلاف ہیں۔ دوم، دونوں نظاموں کا بنیادی مقصد ایک ایسا معاشی نظام قائم کرنا ہے جو سماجی بہبود کا ضامن ہو۔ سوم، یہ دونوں مواقع کی مساوات کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔ چہارم، یہ دونوں انفرادی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح اور فوقیت دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ دونوں ہی امیر اور غریب کے غیر لچک دار طبقاتی ڈھانچوں کو روکنے یا ختم کرنے کے لیے اپنے ذرائع تخلیق کرتے ہیں۔ تاہم مولانا سیوہاروی کے مطابق یہ دونوں دو مسائل میں باہم اختلاف کے حامل ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اسلام ذاتی ملکیت کو قطعی

طور پر ختم نہیں کرتا۔ یہ کچھ حدود کے اندر نجی ملکیت کی اجازت دیتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اسلام مطلق مساوات اور طبقاتی تفریق کے مکمل خاتمے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ بعض طبقاتی تفریقات فطری انسانی حالت کے طور پر سامنے آسکتی ہیں، لیکن پھر بھی دولت کے استحصال اور ارتکاز کی اجازت نہیں ہے۔ اسلام یکساں مواقع کی فراہمی پر زور دیتا ہے۔

علی گڑھ کالج سے فارغ التحصیل شاعر اور صحافی حسرت موہانی (1951-1881)[8]، ہندوستان کے سب سے نمایاں آزادی پسندوں میں سے ایک تھے۔[9] ان کا اصل نام فضل الحسن تھا۔ حسرت ان کا شاعرانہ نام یا تخلص تھا جبکہ یوپی میں ان کے آبائی قصبے موہن کی وجہ سے انھیں موہانی کہا جاتا تھا۔ حسرت ایک ہمہ جہت انسان تھے۔ وہ ایک صوفی، شاعر، نقاد، صحافی اور انقلابی سیاست دان تھے۔ تصوف میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی اُن کے شیخ تھے۔ شاعری میں وہ محبت کے نازک جذبات میں گُندھی اپنی غزلوں کے لیے جانے جاتے ہیں۔ صحافت میں انھوں نے ایک میگزین، اردوئے معلیٰ کی بنیاد رکھی جس میں ادبی اور بنیاد پرست اور بائیں بازو کے سیاسی مضامین شامل تھے۔ سیاست میں وہ ایک مخلص اور سچے انقلابی تھے۔ حسرت وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے 1921 میں انڈین نیشنل کانگریس کے احمد آباد اجلاس میں ہندوستان کی مکمل آزادی کا مطالبہ کیا[10]۔ یہ حسرت ہی تھے جنھوں نے 1921 میں "انقلاب زندہ باد" کا نعرہ لگایا جسے بعد میں تمام انقلابی جماعتوں نے اپنایا اور بھگت سنگھ اور اس کے ساتھیوں نے اس کی مقبولت میں اضافہ کیا[11]۔ وہ علی گڑھ کے طلباء کی اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جو قومی سیاسی جدوجہد میں شامل ہونے کے حامی تھے اور جنھوں نے علی گڑھ کالج کے بانی کی خواہشات اور منصوبوں کے برخلاف ہندوستان کی مکمل آزادی کو اپنا حتمی ہدف مقرر کیا۔

انھوں نے 1903 سے علی گڑھ سے اپنا ماہانہ جریدے اردوئے معلیٰ کا آغاز کیا۔ یہ ایک ادبی اور سیاسی جریدہ تھا اور اس کا بنیادی مقصد ہندوستانیوں اور بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنا تھا۔ اردوئے معلیٰ میں شائع ہونے والے اپنے مضامین کے ذریعے حسرت نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کرہندوستان کی آزادی کے عظیم مقصد کے لیے کانگریس میں حصہ لینے کی تاکید کی۔ حسرت جلاوطنی کی زندگی گزارنے والے برکت اللہ بھوپالی جیسے آزادی پسندوں سے بھی رابطے میں تھے (انصاری 2008)۔ انھوں نے بے خوف وخطر برکت اللہ بھوپالی کا حسرت کے نام خط اردوئے معلیٰ میں شائع کیا۔ انھوں نے بال گنگا دھر تلک (1920-1856)، مدن موہن مالویہ (1946-1861) اور اروند گھوش (1950-1872) جیسے انقلابی سیاست

دانوں کی تقاریر شائع کیں۔ اس طرح اردوئے معلیٰ ہندوستان کی آزادی کے لیے وقف کسی مسلمان کا پہلا اہم سیاسی جریدہ تھا۔

وہ سودیشی تحریک کے مُدلل حامی بن گئے اور اس تحریک میں ان کا نقطہ نظر گاندھی سمیت دیگر کانگریسی رہنماؤں کے مقابلے میں کافی عملی تھا۔ ان کا خیال تھا کہ صرف چرخے سے پورے ہندوستان کی ضروریات پوری نہیں کی جاسکتیں، اس لیے ہندوستانی ملوں میں بنے ہوئے کپڑے کو بھی سودیشی سمجھا جانا چاہیے۔ وہ تحریک کے بارے میں بھی لکھتے رہے۔ مثال کے طور پر اردوئے معلیٰ کے جنوری 1907 کے شمارے میں "سودیشی تحریک اور بائیکاٹ" کے عنوان سے ایک اہم مضمون شائع ہوا تھا۔ حسرت ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے سول نافرمانی اور عدم تعاون کی تحریک کو سیاسی حکمت عملی کے طور پیش کیا۔ گاندھی نے اپنی سوانح عمری میں تسلیم کیا ہے کہ حسرت ہی نے انھیں یہ راستہ دکھایا[12]۔

حسرت نے 1904 میں علی گڑھ کالج سے گریجویشن کے فوراًبعد کانگریس میں شمولیت اختیار کی اور وہ کانگریس کے انقلابی حصے میں شامل ہو گئے جس کی نمائندگی بال گنگادھر تلک کر رہے تھے[13]۔

حسرت نے اپریل 1908 میں 'برٹش ایجوکیشنل پالیسی اِن ایجپٹ' کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا جس میں انھوں نے مصر میں برطانوی حکومت پر کڑی تنقید کی اور اس مضمون کی اشاعت پر انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ یہ مضمون کسی اور نے تحریر کیا تھا۔ پولیس اور خفیہ اداروں نے حسرت پر مصنف کا نام ظاہر کرنے کے لیے دباؤڈالا لیکن انھوں نے نام ظاہر نہیں کیا۔ انھیں دو سال قید بامشقت اور جرمانے کی سزا سنائی گئی۔ حسرت پہلے مسلم اور بال گنگادھر تِلک کے بعد دوسرے ہندوستانی رہنما تھے جنہیں 1857 کے بعد سیاسی وجوہات کی بناء پر پابندِ سلاسل کیا گیا تھا۔ دورانِ قید اُن کے ساتھ سخت سلوک روا رکھا گیا اور اسیری کے دنوں کا احوال اُن کی کتاب 'مشاہدات زنداں' میں شائع ہوا۔[14] لیکن اس مشکل وقت میں بھی حسرت غزلیں گایا کرتے تھے۔ وہ صبر کا پہاڑ تھے۔

انھوں نے 1909 میں دوبارہ اردوئے معلیٰ کا آغاز کیا اور اپنے جریدے میں سیاسی، تنقیدی اور انقلابی مضامین شائع کیے۔ انھوں نے اروند گھوش کی زندگی، تعلیمات اور سیاسی نظریات کے حوالے سے 'اروند گھوش اور ان کی تعلیمات'، 'اپنے اہل وطن کے نام' 'سنیاس اور سیاست' جیسے کئی مضامین شائع کیے۔

خواجہ حسن نظامی نے اروند گھوش پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ سنیاسیوں، صوفیاء اور فقراء کو سیاست کے دائرے سے باہر رہنا چاہیے۔ حسرت نے اس نقطہ نظر کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھا:

"ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر درویش کو سیاست میں آنا چاہیے۔ ہم صرف یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جب درویش لوگ آزادی کے مطالبے اور حق کے اعلان کو مقدس فریضہ سمجھتے ہوئے سیاست میں خلوص نیت سے حصہ لینے کو تصوف کے خلاف نہیں سمجھتے تو کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ انھیں تنقید کا نشانہ بنائے۔"[15]

مولانا حسرت کی اپنی سیاست ان کے تصوف اور درویشی پر مبنی تھی۔ زندگی کے بارے میں اُن کے تصور کے مطابق زندگی کا باطنی پہلو بیرونی زندگی سے جُڑا ہوا ہے۔ اگر تصوف اور روحانیت انسان کی باطنی زندگی کو پروان چڑھاتے ہیں تو اس کا اظہار اس کے سیاسی رویوں میں ہونا چاہیے اور اسے حق پر کاربند رہتے ہوئے عوامی حلقوں میں تسلط کے ڈھانچوں کے خلاف آواز اُٹھانی چاہیے۔ وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے ہندو-مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ انھوں نے خلافتِ عثمانیہ کی حمایت کے لیے بھی آواز اٹھائی اور انجمن خدام کعبہ اور ہلال احمر تحریک میں شمولیت اختیار کی۔

1913 میں جب انھیں اپنا پریس بند کرنے پر مجبور کیا گیا تو انھوں نے علی گڑھ میں 'موہانی سودیشی اسٹور' کھولا۔ انھوں نے ہندوستان کے دور دراز علاقوں کا سفر کیا اور لوگوں کو سودیشی اسٹورز کھولنے اور بدیشی (غیر ملکی) مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے پر راضی کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اپنی معاشی سرگرمیوں میں بھی انھوں نے اپنی سیاسی جدوجہد کا راستہ تلاش کیا۔ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ میں بھی شمولیت اختیار کی اور مسلم لیگی رہنماؤں کو مکمل آزادی کے مشن کو اپنانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ کانگریس اور مسلم لیگ کو قریب لانے کے لیے بہت کام کیا۔ 1916 میں انھیں دوبارہ دو سال کے لیے قید میں ڈال دیا گیا لیکن ان کی گرفتاری کے خلاف احتجاج شروع ہو گیا اور کچھ عرصے بعد انگریزوں نے انھیں کچھ شرائط کے ساتھ رہا کرنے کی پیشکش کی۔ لیکن حسرت نے ان شرائط کو ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ انگریزوں کے ساتھ کوئی بھی سمجھوتہ ان کے ضمیر کے خلاف ہو گا اور وہ 1918 میں قید کی مدت کی تکمیل کے بعد رہا ہو گئے۔ اُن کا کردار ایسا تھا کہ انھوں نے درد سہا لیکن اپنے اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ ایک بار قید خانے میں انھوں نے پوری رات سخت سردی کی صعوبت برداشت کی لیکن غیر ملکی کمبل استعمال نہیں کیا کیونکہ انھوں نے تمام غیر ملکی اشیاء کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ عدم تعاون کی قرارداد جس کے لیے مولانا حسرت اتنے عرصے سے مہم چلا رہے تھے، بالآخر 1920ء میں مسلم لیگ اور کانگریس نے منظور کر لی۔

مولانا حسرت 1917 کے روسی انقلاب سے بے حد متاثر ہوئے۔ خود ایک انقلابی کردار ہونے کی وجہ سے حسرت نے روسی انقلاب اور اشتراکی نظریات کو فوری طور پر قبول کر لیا۔ بالشویک انقلاب اور اشتراکی نظریات کا اثر ان کی شاعری میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کی کوششوں سے پہلی آل انڈیا کمیونسٹ کانفرنس کانپور میں 1925 میں

ہوئی۔ آل انڈیا کمیونسٹ کانفرنس سے اپنے خطاب میں انھوں نے کہا کہ کمیونزم سرمایہ دارنہ نظام کے خلاف ہے، لیکن اسلام کی روح کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اسلام کمیونزم سے بھی زیادہ سرمایہ دارنہ نظام کے خلاف ہے۔ جب حسرت کمیونسٹ بنے تو انھوں نے اپنی تمام نجی جائیداد مختلف فلاحی منصوبوں میں تقسیم کر دی۔ اُن کے مطابق کمیونزم اور مذہب میں کوئی خلیج نہیں ہے اور کمیونسٹ اقدار اسلامی اخلاقیات سے ہم آہنگ ہیں۔

آل انڈیا کمیونسٹ کانفرنس میں اپنے خطاب میں انھوں نے عدم تشدد کی پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "مثال کے طور پر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کمیونزم اور خونریزی دولازم وملزوم مظاہر ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم صرف ضرورت اور مصلحت کی بناپر عدم تشدد کو قابلِ اطلاق سمجھتے ہیں، اور مہاتما گاندھی کے برعکس ہم اسے ہر حال میں اصولی طور پر واجب نہیں سمجھتے۔[16]

جائیداد کی ملکیت کے سوال پر انھوں نے کہا:

"کچھ احمق یا شرارتی لوگ کا خیال ہے کہ کمیونزم اور 'سب کچھ جو تیرا ہے میرا ہے' کا نظریہ ایک ہی چیز ہے۔ سچ یہ ہے کہ ہمارے نظریہ میں جائیداد اور ملکیت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ذاتی جسے انگریزی میں ذاتی ملکیت کہا جاتا ہے جیسے کہ گھڑی، چھتری، لوٹا، بستر، کپڑے، مکان وغیرہ۔ دوسرا شخصی ہے جسے انگریزی میں 'نجی ملکیت' کہا جاتا ہے جیسے زمین، کارخانے وغیرہ اور یہ کہ کمیونسٹ اصول صرف 'نجی' ملکیت پر لاگو ہوتے ہیں 'ذاتی' جائیداد پر نہیں۔[17]

اس کے بعد انھوں نے تحریک کے درج ذیل اغراض ومقاصد بیان کیے[18]:

1۔ سوراج یعنی مکمل آزادی قائم کرنا۔

2۔ سوراج کے قیام کے بعد کمیونزم کے اصولوں کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرنا۔

3۔ مکمل آزادی کے حصول تک کسانوں اور مزدوروں کی فلاح و بہبود اور آزادی کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا۔

4۔ کمیونزم کے اصولوں کی تشہیر اور اشاعت کا اہتمام کرنا اور رائے عامہ کی حمایت حاصل کرنا۔

مذہب اور کمیونزم کے درمیان تعلق کے بارے میں اُن کا کہنا ہے کہ:

"کچھ قابلِ مذمت لوگ کمیونزم پر یہ ناحق الزام لگاتے ہیں کہ یہ بنیادی طور پر مذہب دشمن ہے۔ معاملہ صرف یہ ہے کہ مذہب کے معاملات میں ہم انتہائی رواداری کا مظاہرہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ جو بھی ہمارے اصولوں سے متفق ہے وہ ہم میں سے ہے خواہ وہ ہندو ہو، مسلمان ہو، مسیحی ہو یا بدھ مت، خواہ وہ مذہبی آدمی ہو یا ملحد۔ بہ اَلفاظِ دِیگر، ہم ہر مذہب کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں اور ہم الحاد کو بھی مذہب کی

ایک شکل سمجھتے ہیں... کچھ مسلم رہنما، بلاوجہ کمیونزم کو اسلام مخالف قرار دیتے ہیں۔ درحقیقت، سچائی اس کے بالکل برعکس ہے اور سرمایہ دارنہ نظام کے خلاف اسلام کے احکام کمیونسٹ نظریہ سے زیادہ سخت ہیں۔ زکوٰۃ کے فرض کیے جانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ جب تک ایک بھی شخص بھوکا ہے، اُمراء کو عیش و عشرت کا کوئی حق نہیں۔ قُرآن میں نماز کے بعد زکوٰۃ پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ خلیفہ اول نے زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا تھا"۔ انھوں نے زکوٰۃ کے معاملے پر مختصراً وضاحت کی اور اس بات پر زور دیا کہ زکوٰۃ سرمایہ پر عائد ٹیکس ہے: "منافع کے بجائے سرمایہ پر ٹیکس لگانا ابھی بھی یورپ [مغرب] میں زیرِ بحث معاملہ ہے۔ لیکن اسلام میں یہ قدیم زمانے سے ہی رائج ہے کیونکہ زکوٰۃ کی رقم کا تعین سالانہ منافع سے نہیں ہوتا بلکہ پورے سرمائے کا چالیسواں حصہ قرار دیا جاتا ہے"۔ آخر میں انھوں نے اعلان کیا کہ "مختصر طور پر، کسی بھی نقطہ نظر سے فیصلہ دیکھا جائے تو کمیونزم سیاست کی حتمی اور بہترین شکل ہے۔ لہٰذا اگر ہم اپنے فرسودہ پروگرام کو ترک کرتے ہوئے کوئی نیالائحہ عمل اختیار کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں کیوں نہ اسے اختیار کرنا چاہیے جو حتمی اور بہترین ہو"۔[19]

یہ خطاب اسلامی سوشلزم کا ایک جامع بیان ہے۔

اپنی بقیہ زندگی میں وہ اس نظریاتی تشکیل سے وابستہ رہے۔ ان کی ذاتی زندگی، ان کا سیاسی عمل اور ان کا فلسفیانہ عالمی نظریہ ہمیشہ غزل کی موسیقی کی طرح خوش نوائی سے ہم آہنگ رہا۔

درویشی وانقلاب مسلک ہے میرا
صوفی مومن ہوں، اشتراکی مسلمان

مولانا حسرت کے اشتراکی نظریات کی عکاسی کرنے والے اُن کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

گاندھی کی طرح بیٹھ کے کیوں کاتیں گے چرخہ
لینن کی طرح دیں گے نہ دُنیا کو ہِلا ہم

جنوبی ایشیا میں اسلامی سوشلزم کے بیانیہ کا تجزیہ کرتے ہوئے ایک اشتراکی عالم دین مولانا عبدالرحیم پوپلزئی (1890-1940) کا ذکر نہایت ضروری ہے۔ ان کی انقلابی اور استعمار مخالف سرگرمیوں کی وجہ سے مولانا پوپلزئی کو عموماً امام حریت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ پشاور میں علما کے ایک گھرانے میں پیدا ہوئے۔ پوپلزئی کے پردادا قاضی القضات تھے۔ ان کے والد دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور مشہور عالم اور صوفی تھے۔ ان کے والد تحریک خلافت کے دور میں استعمار مخالف سیاست میں سرگرم تھے اور سرحد خلافت کمیٹی کے صدر رہ چکے تھے۔

عبدالرحیم نے بھی اپنی روایتی مذہبی تربیت دیوبند میں حاصل کی۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی طرح وہ اپنے عظیم استاد شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے زیر اثر رہے[20]۔

دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے قصہ خوانی بازار، پشاور میں پڑھانا شروع کیا اور ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس دوران وہ ابوالکلام آزاد، حاجی صاحب ترنگزئی اور خان عبدالغفار خان سمیت مختلف استعمار مخالف رہنماؤں سے وابستہ رہے۔ انھوں نے اپنے خطے کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور لوگوں کو استعمار مخالف سرگرمیوں کے لیے متحرک کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب کافی مختلف سیاسی پس منظر رکھنے والے اور مختلف نظریاتی فریم ورک کے حامل کارکنان ہندوستان کی آزادی کے عظیم مقصد کے لیے متحد ہو چکے تھے۔ یوں اس دور کے اسلامی اتحاد کے حامیوں، ہندوستانی قوم پرستوں اور اشتراکیوں کے درمیان مشترکہ محرک سامراج مخالفت تھا۔ ان دور میں پوپلزئی نے جو ایک روایتی دیوبندی عالم تھے، اشتمالیت پسندوں اور انقلابی کارکنوں سے رابطہ کیا۔ انقلابی اشتراکی تنظیم 'نوجوان بھارت سبھا' کے کارکنوں سے متاثر ہو کر انھوں نے صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختونخوا) میں اس تنظیم کا ایک باب قائم کیا۔ وہ فرنٹیئر کانگریس سوشلسٹ پارٹی سے بھی منسلک تھے۔

1927 میں ان کی نگرانی میں ایک اخبار "سرفروش" جاری ہوا۔ اس اخبار کا مقصد لوگوں میں سیاسی شعور بیدار کرنا تھا۔ 1928 میں وہ باضابطہ طور پر کانگریس کے رکن بنے۔ انھوں نے برطانوی حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سانحہ قصہ خوانی پشاور کے دوران انھیں گرفتار کیا گیا اور نو سال کی قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ لیکن انھیں 1931 میں گاندھی-اِرون معاہدے کے تحت رہا کر دیا گیا۔ 1931 میں آزادی پر تقریر کرنے پر انھیں دوبارہ قید کر لیا گیا اور تین سال کے بعد رہا کیا گیا۔ 1934 میں اپنی رہائی کے بعد، انھوں نے صنعتی مزدوروں، زرعی کسانوں، اور خاکروبوں (جھاڑو دینے والے)، ریڑھی بانوں، تانگہ بانوں جیسے پسماندہ طبقات اور چرواہوں کے لیے انجمنوں کے قیام کے لیے کام کیا۔ انھوں نے اپنے علاقے کے کسانوں کو منظم اور متحرک کیا اور 1938 میں غلہ ڈھیر تحریک کی مکمل حمایت کی جو کسانوں کی اپنے حقوق کے لیے تحریک تھی۔ ہزارہ میں ایک اور کسان تحریک شروع ہوئی اور پوپلزئی نے اس تحریک کے لیے پوری سرگرمی سے کام کیا۔ انھوں نے کسانوں کی حمایت کے لیے فتویٰ جاری کیا اور انھیں متحرک کرنے کے لیے کانفرنسیں اور پروگرام منعقد کیے۔ 1937 میں غلہ ڈھیر تحریک کے دوران ان کے کانگریس سے اختلافات تھے کیونکہ کانگریس جاگیرداروں کی حمایت کر رہی تھی[21]۔ 1937 میں کانگریس کی وزارت کے دوران انھیں پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔ 1938 میں رہائی کے فوراً بعد، انھوں نے دوبارہ کسانوں کی تنظیم کے لیے کام کرنا شروع کیا۔ وہ ہزارہ گئے اور کسانوں کو منظم کیا۔ انھوں نے مانسہرہ میں پہلی

کسان کانفرنس کی صدارت کی۔ 1939 میں انھوں نے خاکروبوں کے حقوق کے لیے ایک کانفرنس کا انعقاد کیا۔ انھیں 1939 میں دوبارہ قید کر دیا گیا اور پانچ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی جو کم کر کے تین سال کر دی گئی۔ جب انھیں رہا کیا گیا تو وہ بیماری میں مبتلا تھے۔ ان کا انتقال 1944 میں ہوا۔

مولانا پو پلزئی کے مطابق، اسلام سوشلزم کی طرح ناانصافی، ظلم اور استحصال سے پاک معاشرہ تشکیل دینے کے نظریہ کا حامل ہے۔ ان کے خیال میں مارکسی نظریہ نے لوگوں کے درمیان معاشی تعلقات کے تضادات کی وضاحت کر کے سماجی مسائل کی حتمی نوعیت دریافت کی ہے۔ تاہم مولانا پو پلزئی کے مطابق اشتراکی جماعتوں کا مسئلہ یہ تھا کہ اشتراکی فلسفے کو اپنانے کے باوجود وہ جلد ہی فسطائیت کا شکار ہو کر فسطائی جماعتیں بن جاتی ہیں۔ ان کے مطابق کمیونسٹ جماعتوں کے اس انتشار کا بنیادی سبب ان کے ضابطہ میں اخلاقی فلسفے کا فقدان ہے۔ یہ اخلاقی فلسفہ مذہب اور بالخصوص اسلام فراہم کر سکتا ہے۔ اقتصادی تعلقات کے تضاد کا یہ مسئلہ سب سے اہم مسئلہ تھا جسے ان کے مطابق اسلام کی تعلیمات کے مطابق حل کیا جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے معاشی وسائل پوری بنی نوع انسان کے فائدے کے لیے پیدا کیے ہیں اس لیے زرعی زمین کی بڑی مقدار کو چند لوگوں کے ہاتھ میں دینا اسلام کی روح کے منافی ہے۔ حقیقی اسلام مساوات، بھائی چارے اور اجتماعی بھلائی کے اصولوں پر مبنی تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تاریخی اسلام اِن اصولوں سے ہٹتا چلا گیا۔ اس لیے وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس تاریخی اسلام کی حقیقی اسلام کی روشنی میں اصلاح کی جائے۔ اس سلسلے میں بنیادی کام، مولانا پو پلزئی کے مطابق، شاہ ولی اللہ نے کیا ہے۔ لیکن مولانا پو پلزئی کے مطابق شاہ ولی اللہ کے کام کو جدید معاشرے کی پیچیدگیوں کے مطابق ڈھالنے اور وسعت دینے کی ضرورت ہے۔ ایک اسلامی اشتراکی نظریہ سازی کی ضرورت کو تسلیم کرنے کے باوجود وہ خود عملی جدوجہد میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔

مولانا پو پلزئی شاعر بھی تھے اور عموماً اپنے انقلابی خیالات اور احساسات کا اظہار اپنی شاعری کے ذریعے کرتے تھے۔ فارغ بخاری کے مطابق مولانا پو پلزئی ہندوستان کے ابتدائی ترقی پسند شعراء میں سے ایک تھے۔

ان کے چند اشعار ملاحظہ کریں:

مذہب نہیں دیتا ہے تعلیم غلامی کی
تم سچے مسلمان ہو آزادی کے پروانو
سختی سے نہ گھبراؤ وہ سامنے منزل ہے
کچھ اور بھی تیزی سے بڑھتے چلو دیوانو

چوہدری افضل حق (1891-1942) جو مجلسِ احرارِ اسلام کے بانیوں میں سے ایک تھے، ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ وہ ایک مفکر، ادیب اور سیاست دان تھے۔

ان کی اہم تصانیف میں زندگی[22]، دینِ اسلام، محبوبِ خدا، اور میرا افسانہ شامل ہیں۔[23] اُن کی تصانیف پنجاب کے دیہی علاقوں میں جاگیرداری نظام کے ظلم کے بارے میں ان کی گہری سمجھ بوجھ کو ظاہر کرتی ہیں۔ استعمار مخالف سرگرمیوں میں فعال شرکت کی وجہ سے انھیں کئی بار قید میں بھی ڈالا گیا۔ اُن کی تحریروں کی سب سے اہم خصوصیت شُستہ اُردو نثر اور ضرب الامثال بنائے جانے کے قابل اقوال ہیں جو ہر صفحے پر موجود ہوتے ہیں اور اُن کی گہری بصیرت کی عکاسی کرتے ہیں۔ 1940 میں انھوں نے مولانا بہاء الحق قاسمی کے ساتھ[24] اسلام میں اعلیٰ طبقات کے مقام کے مسئلہ پر ایک مباحثے کا آغاز کیا۔ بالخصوص یہ مباحثہ اور چودھری افضل حق کی دیگر تحریریں اُن کے سوشلسٹ رجحانات کی عکاسی کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنی کہانیوں کے ذریعے شادی، پیدائش اور موت کی رسومات پر عمل کرنے کے لیے قرض لینے پر مجبور کرنے والے پنجابی دیہاتوں کے بہت سے رسوم ورواج پر تنقید کی جو کسانوں اور پسماندہ لوگوں کے کندھوں پر بے جا بوجھ ڈالتے ہیں۔

چوہدری افضل حق کے مندرجہ ذیل اقوال اُن کے اسلامی سوشلزم کے رجحان کی نشاندہی کرتے ہیں[25]:

- معیشت کا اشتراکی اصول معاشرے کے اسلامی تصور سے ہم آہنگ ہے۔
- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مارکس نے معاشیات پر اسلامی تعلیمات کو اپنی کتاب "Das Capital" میں شامل کر لیا ہے۔
- سود کو حرام قرار دے کر قرآن نے سرمایہ دارنہ نظام کی جڑ پر کاری ضرب لگائی ہے۔
- پیغمبرِ اسلام نے محلات اور بلند منزلہ عمارات کی تعمیر کو ناپسند فرمایا ہے اور یہ سلسلہ پہلے چار خلفاء کے دور میں بھی جاری رہا۔
- خدمت خلق کا اللہ کی عبادت سے گہرا تعلق ہے۔
- اسلام کا غلبہ بنیادی طور پر اخلاقی فتح اور اللہ کی بندگی کے نظریات اور بنی نوع انسان کی مساوات اور بھائی چارے کی فتح ہے۔
- غلبہ اسلام مسلمانوں کے تسلط کے مترادف نہیں ہے کیونکہ یہ اسی طرح سامراجی نظام کی طرف لے جائے گا جس طرح دوسری قوموں نے اپنی سلطنتیں قائم کی ہیں۔ اسلام کا غلبہ اسلام کے نظریات کا غلبہ ہے جو معاشی اور سیاسی مساوات اور آزادی پر مبنی ہیں۔

- سورۃ توبہ، آیت 35-34، واضح طور پر اسلامی اقدار کی وضاحت کرتی ہے۔ ان آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ "وہ لوگ جو جمع کرتے ہیں اپنے پاس سونا اور چاندی اور خرچ نہیں کرتے اس کو اللہ کی راہ میں تو ان کو بشارت دے دیجیے دردناک عذاب کی۔ جس دن اُن (سونے اور چاندی) کو تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں اور پھر داغا جائے گا ان سے ان کی پیشانیوں ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو (اور ساتھ کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے لیے اکٹھا کیا تھا تو اب چکھو مزا اس کا جو کچھ تم جمع کرتے تھے"
- اشتراکیت پسندوں نے روس میں مذہب سے انکار کیا کیونکہ کلیسا جاگیرداری نظام اور سرمایہ داری نظام کے مفادات کا تحفّظ کرنے کی خواہاں تھی۔
- مذہب کی مخالفت اشتراکی تحریک کا لازمی عنصر نہیں ہے۔
- سرمایہ داری نظام خدا کی بادشاہی سے حقیقی بغاوت ہے۔
- خاندان کے مختلف افراد مختلف طریقے سے کما سکتے ہیں لیکن وہ سب اپنی کمائی کو بانٹتے اور تقسیم ہیں اور جب تک نوع انسانی معاشروں کو ان اصولوں پر منظم نہیں کرے گی معاشرے میں پائیدار امن قائم نہیں ہو سکتا۔
- اسلام نے معاشی سرگرمیوں کے ثمرات دوسرے انسانوں کے ساتھ بانٹنے کا حکم دیا ہے۔
- پیغمبرِ اسلام نے زمین کو خود کاشت کرنے یا دوسرے مسلمان بھائی کو دینے کا حکم دیا لیکن مزارعے کے طور پر اس کو ٹھیکے پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے زمین کو ٹھیکے پر دینے کا نظام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دیا ہے۔
- حضرت خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالار کے عہدے سے اس لیے معزول کر دیا گیا کہ انھوں نے اُن کی تعریف میں لکھے گئے قصیدہ کو سراہنے کے لیے ایک شاعر کو دس ہزار دینار دیے تھے۔
- اسلامی ریاست کسی بھی شخص سے جائیداد اور دولت لے سکتی ہے جس نے اسے اپنے لیے ضرورت سے زیادہ جمع کیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی آدھی جائیداد کو قومیا لیا تھا۔
- ہمیں روس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا مساوات کا اصول اسلامی شریعت سے ہم آہنگ ہے۔

- روسی انقلاب اور کمیونزم سے صرف جھوٹے مذاہب ہی تباہ ہوں گے۔ مسلمانوں کو اشتراکی انقلابات سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اسلام کی بنیادیں اس اصول پر مبنی ہیں کہ اُمراء کی دولت پر غرباء کا 'حق' ہے۔
- جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے اپنے گھر کی بالائی منزل تعمیر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند فرمایا اور اُس منزل کو منہدم کرنے تک اُن سے بات نہیں کی۔
- سورۃ النحل کی آیت نمبر 71 میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ معاشی اختلافات جو مختلف عوامل کی وجہ سے ظاہر ہوتے ہیں ان کو برقرار نہیں رکھا جانا چاہیے بلکہ امیروں کو چاہیے کہ وہ اپنی دولت غریبوں کے ساتھ بانٹ کر دوبارہ برابر ہو جائیں۔ قرآن کا واضح اعلان ہے کہ " اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی، پھر جنہیں فضیلت دی گئی وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو دینے والے نہیں کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں، پھر کیا اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟"
- حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی جو نسبتاً امیر تھے، اپنے طرزِ زندگی میں دوسرے صحابہ سے مختلف نہیں تھے۔

چوہدری افضل حق اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ اسلامی معاشی نظام کی یہ تشریح خلفائے راشدین کے دور کے بعد تاریخ میں دوبارہ عمل میں نہیں آسکی، لیکن ان کا خیال ہے کہ اب اسلامی معاشی نظام کے اس پہلو کی حوصلہ افزائی کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا وقت آچکا ہے۔ چوہدری افضل حق کا مجلسِ احرار کا تصور یہ تھا کہ یہ ایک ایسی جماعت ہوگی جو غریبوں اور پسے ہوئے لوگوں کے لیے جدوجہد کرے گی اور مسلم لیگ کے جاگیرداروں اور کانگریس کے سرمایہ داروں دونوں سے سمجھوتہ نہیں کرے گی[26]۔

مختصر یہ کہ سوشلزم ایک ایسا معاشی نظریہ تھا جس نے اس دور میں ہندوستان میں مسلمانوں کے ذہنوں پر گہرا اثر ڈالا۔ انھوں نے ہندوستان کو ایک براعظم اور بہت سی قوموں کا گھر تصور کیا۔ مختلف مسلم دانشور اور روایتی علماء بھی کمیونزم اور بالشویک انقلاب سے متاثر تھے۔ علامہ اقبال، مولانا سندھی، حسرت موہانی، مولانا پو پلزئی اور چودھری افضل حق جیسے دیگر مسلم دانشوروں اور علماء نے سوشلزم میں مساوات اور بھائی چارے پر مبنی معاشرے کے اسلامی تصور کی ایک جھلک دیکھی۔ یہ بات اہم ہے کہ ان مسلم علماء نے جدلیاتی مادیت کے مارکسی نظریہ کو قبول نہیں کیا۔ انھوں نے اپنے اسلامی سوشلزم کی بنیاد تاریخ کی کسی مادی تشریح کے بجائے اسلام کی روحانی اور سماجی اقدار پر رکھی۔

مصادر و مراجع

1 مولانا سندھی پر کمیونزم کے اثرات کے لیے ملاحظہ کریں 'Muslims and Capitalism: An Uneasy Relationship?' میں طاہر کامران، 'Ubaidullah Sindhi as a Revolutionary: A Study of Socialist Activism in Deobandi Islam'، بیٹریس ہینڈرچ ایڈیشن، وزبرگ: ایرگن ورلیگ، 2018۔

2 انڈین نیشنل کانگریس کے نمائندے کے طور پر، مولانا سندھی کے ساتھ سرکاری مہمان کی طرح سلوک کیا گیا۔

3 مولانا سندھی کے ساتھ نو لوگ تھے جو ان کے ساتھ کابل سے ماسکو گئے جن میں ظفر حسن، خوشی محمد، اقبال شیدائی اور عزیز احمد شامل تھے۔ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری نے اقبال شیدائی کی سیاسی سوانح مرتب کی ہے۔ اقبال شیدائی کے کام کو یاسمین سائقیہ نے 'Uncolonizable: Freedom in the Muslim Mind in Colonial British India'، ساؤتھ ایشین ہسٹری اینڈ کلچر 7(2)، 134-117، 2016 میں بھی بیان کیا ہے۔

4 ایبک، ظفر حسن، آپ بیتی، ترتیب: امجد علی شاکر، لاہور: دارالکتاب، 2017ء۔

5 Zaman, Muhammad Qasim *Modern Islamic Thought in a Radical Age*. Cambridge: Cambridge University Press, 2012.

6 Kamran, Tahir. "Ubaidullah Sindhi as a Revolutionary: A Study of Socialist Activism in Deobandi Islam." In *Muslims and Capitalism: An Uneasy Relationship?* Edited by Béatrice Hendrich, 151-172. Würzburg: Ergon Verlag, 2018.

7 ڈاکٹر نور محمد غفاری کے تازہ ترین تبصروں کے ساتھ کتاب آن لائن دستیاب ہے:

https://ia800609.us.archive.org/34/items/IslamKaIqtisadiNizamByShaykhHifzurRahmanSeoharvir.a/IslamKaIqtisadiNizamByShaykhHifzurRahmanSeoharvir.a.pdf (Accessed on 16th March 2020.)

8 حسرت کی تاریخ پیدائش میں فرق ہے۔

9 انگریزی میں، حسرت موہانی کی زندگی اور کام پر سب سے اہم کام خالد حسن قادری کا SOAS، لندن یونیورسٹی سے 1971 میں پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، جو آن لائن دستیاب ہے:

https://eprints.soas.ac.uk/28755/1/10672923.pdf (Accessed on 29th March 2020).

اردو میں کچھ اہم تصانیف یہ ہیں: ڈاکٹر سید جعفر احمد (ایڈیشن)، جہادِ حسرت (کراچی: پاکستان اسٹڈی سینٹر کراچی یونیورسٹی 2008)؛ مظفر حنفی، 'حسرت موہانی' (نئی دہلی: نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا 1990)؛ ایم حبیب خان، 'ہرت موہانی' (نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی 1984)؛ پروفیسر ثریا حسین، 'حسرت موہانی: مجموعہ مقالات، حسرت سیمینار، 1982'، علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، 1985۔ پروفیسر سید شفقت رضوی، 'مولانا حسرت موہانی: مجاہد آزادیِ کامل'، کراچی: ادارہ تعلیمات افکار و تحریکاتِ ملی، 1988۔

10 حنفی، مظفر، حسرت موہانی، نیو دہلی: نیشنل بک ٹرسٹ آف انڈیا، 1990ء۔

11 Harshvardhan. "News Click." October 4, 2018. https://www.newsclick.in/hasrat-mohani-remembering-freedom-fighter-communist-and-muslim (accessed March 29, 2020).

12 Gandhi, M. K. *The Story of My Experiments with Truth.* reprint. Boston: Beacon Press, 1993.

13 Khan, M. Habib. *Hasrat Mohani.* New Delhi: Sahtya Academy, 1984.

14 آن لائن دستیاب ہے:

https://www.rekhta.org/ebooks/mushahidat-e-zindan-syyad-fazlul-hasan-hasrat-mohani-ebooks/

(Accessed on 30th March 2020).

15 'اُردوئے معلیٰ'، فروری 1910، صفحات 14-15۔ بحوالہ خالد حسن قادری کا پی ایچ ڈی کا مقالہ، 'Hasrat Mohani: A Study of His Life and Poetry '، SOAS، لندن یونیورسٹی، 1971۔ صفحہ 210۔ پر آن لائن دستیاب ہے۔

https://eprints.soas.ac.uk/28755/1/10672923.pdf (Accessed on 29th March 2020).

(29مارچ2020 کو سرچ کیا گیا)۔

16 بحوالہ خالد حسن قادری کا پی ایچ ڈی کا مقالہ، 'Hasrat Mohani: A Study of His Life and Poetry '، SOAS'، لندن یونیورسٹی، 1971۔ صفحہ 345۔ https://eprints.soas.ac.uk/28755/1/10672923.pdf (Accessed on 29th March 2020). پر آن لائن دستیاب ہے۔

(29مارچ2020 کو سرچ کیا گیا)۔

17 ایضاً

18 Qadiri, Khalid Hasan. "Hasrat Mohani: A Study of His Life and Poetry." *PhD Thesis.* SOAS, University of London, 1971.

19 ایضاً۔ صفحہ 210۔

20 پو پلزئی، ڈاکٹر عبدالجلیل، حریت نامہ بُنوں، لاہور 1991ء۔

21 پو پلزئی، ڈاکٹر عبدالجلیل، صوبہ سرحد کی انقلابی تحریکیں اور مولانا عبدالرحیم پو پلزئی، لاہور: فِکشن ہاؤس، تاریخ نامعلوم۔

22 کتاب 'زندگی' کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا ہے؛ چوہدری افضل حق، 'زندگی' کا ترجمہ سید امتیاز احمد، محمد کامران خان اور مسز انجم خان (لاہور: الوثایق پبلی کیشنز 2015)۔

23 چوہدری افضل حق کی تمام تحریریں 'مجموعہ چوہدری افضل حق' (لاہور: الفیصل ناشیران 2016) میں 2 جلدوں میں ترتیب دی گئی ہیں۔

24 مولانا بہاء الحق قاسمی (وفات: 1987) ایک مشہور عالم دین، دانشور اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ وہ اصل میں امرتسر کے رہنے والے تھے اور پھر قیام پاکستان کے بعد لاہور ہجرت کر گئے۔ مولانا قاسمی کا تعلق علماء و مشائخ کے خاندان سے تھا جن میں سے

بعض کا تذکرہ ان کی تصنیف 'تذکرہ اسلاف' میں ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ وہ 1953 کی تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران قید ہوئے تھے۔ اپریل 1941 میں انہوں نے چوہدری افضل حق کے ساتھ اسلام اور اشتراکیت کے درمیان تعلق کے مسئلہ پر بحث شروع کی۔ چوہدری افضل حق اور مولانا قاسمی دونوں نے 1941 میں لاہور کے مشہور اخبار زم زم میں مضامین کا ایک سلسلہ شائع کیا۔

[25] یہ اقوال ان کے مضمون "اسلام میں اُمراءاور بادشاہ کا وجود نہیں" سے ماخوذ 'مجموعہ چوہدری افضل حق'، جلد 1۔ لاہور: الفیصل ناشران، 2016 سے لیے گئے ہیں۔

[26] حق، چوہدری افضل، مجموعہ، لاہور: الفیصل ناشران، 2016ء۔